عکاشہ عنبرین

استاد گورنمنٹ گرلز کالج، ۳۶ ایس، بی، سرگودھا

ڈاکٹر ساجد جاوید

استاد شعبہ اردو، جی۔سی یونیورسٹی، سرگودھا

انیس ناگی اور البیغ کامیو کے ناولوں کا تقابلی مطالعہ

Ms. Ukasaha Ambreen

Lecturer ,Govt Girls college 36 SB ,Sargodha

Dr. Sajid Javed

Assistant Professor,Department of Urdu, GC university of Sargodha

Comparative Study of Anees Nagi and Albert Camus's Novel

Albert Camus is a nobel laureate French novelist of the 20th century. He is famous for the absurd school of thought.Anees Nagi is a known Urdu novelist. He was impressed by the thoughts of absurdism and existentialism by Camus,as he translated the philosophical book "the myth of sisiphus"by Camus. Anees used these thoughts in his writings. The comparative study of the novel " Stranger" and "Deewar k Peeechay"in this article shows that there are strong similarities between the novels of both writers.

البیغ کامیو بیسویں صدی کے نوبل انعام یافتہ ناول نگار ہیں۔ فرانسیسی ادب میں absurd school of thought کے بنیادگزاروں میں ان کا نام خاص اہمیت رکھتا ہے۔ انیس اور کامیو کے تقابلی مطالعے میں یہ بات غور طلب ہے کہ انیس ناگی نے مغربی مطالعات میں کامیو کو نہ صرف پڑھا ہے بلکہ ان کی ایک معروف (فلسفیانہ) کتاب The Myth of Sisiphus کو اردو میں ترجمہ بھی کیا ہے۔ اس کتاب نے انیس کو وجودیت (Existantialis)اور

لایعنیت (Absurdism) جیسے عوامل اور نظریات سے آ گہی کا موقع فراہم کیا۔ انیس کے ہاں جہاں وجودیت اور لایعنیت کے نمونے ملتے ہیں ان کا تعلق کامیو سے بنتا ہے۔ انیس کے ناول میں ایسے جاندار حوالے موجود ہیں جن کو کامیو کے ناول کے ساتھ ایک خاص مناسبت پیدا ہوتی ہے۔ اس مقالے میں انیس ناگی کے ناول ''دیوار کے پیچھے'' اور البیئر کامیو کے ناول اجنبی/ بیگانہ/ Stranger/Outsider/لیتراں ژے کا تقابلی جائزہ پیش نظر ہے۔

البیئر کامیو کی شناخت میں ناول نگاری کے ساتھ ساتھ ڈرامے، مضامین اور غیر افسانوی تحریریں بھی پیش پیش ہیں۔ ان تحاریر سے کامیو کثیر الجہات ادیب کے طور پر فرانسیسی ادب کی تاریخ کا حصہ ہیں۔ ان کے لکھے گئے پانچ ناول دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہوکر کامیو کے قارئین کا حلقہ وسیع کرنے کا موجب بنے ہیں۔ پہلا ناول ''بیگانہ'' ۱۹۴۲ء میں چھپا(۱)۔ اس کے بعد طاعون (The Plague) ۱۹۴۷ء میں چھپا۔ تیسرا ناول زوال (The Fall) ۱۹۵۶ء میں، چوتھا ناول A Happy Death اور پانچواں The First Man، ۱۹۷۱ء میں چھپے۔ ۱۹۵۷ء میں ادب کا نوبل انعام ملا اور تین سال بعد ۱۹۶۰ء میں کامیو دنیا چھوڑ گئے۔

کامیو کو اگرچہ وجودیت کے دبستان (Existentialism school of thought) سے تعلق سے انکار رہا، لیکن ان کی تحریروں سے اس انکار کی نفی ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ وہ طبعی طور پر ژاں پال سارتر (Sartre) کی وجودیت کے علمبردار رہے۔ بیسویں صدی کے ان ادیبوں نے خدا کا انکار کر کے گومشاہدے، محسوسات، سوچنے اور لکھنے کے وسیع میدان تو دریافت تو کر لئے تھے مگر ان آسمانوں میں اڑتے اڑتے، مرکزے سے ہٹ کر لایعنیت کا شکار ہو گئے۔ مرکزے سے بغاوت نے ان ادیبوں کے اندر لایعنیت کے سوتے جگا دیئے اور کامیو ``School of Absurd`` کے فعال لکھاری بن کر ابھرے۔ لایعنیت کیا ہے، اس کے بارے میں شہزاد منظر لکھتے ہیں:

> اس لایعنی (Absurd) دنیا میں زندہ رہنے کا احساس ہی دراصل حقیقت ہے۔ زندگی کے متعلق فلسفیانہ بحث کی کوئی وقعت نہیں۔ وجود کا احساس ہی سب سے بڑی بات ہے۔ خدا یا سماج انسانی تقدیر پر کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ انسان اپنی راہیں تلاش کرنے کے لیے پیدا ہوا ہے لہٰذا انسان پر اپنی تقدیر خود بنانے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، اس کے لیے بہت کچھ کرنا ہے۔ اسے ہر لمحہ اپنے وجود کا احساس کرنا ہے۔ اس میں بے عملی ممنوع ہے لیکن اس دنیا میں عمل سے کیا حاصل ہے؟ انسانی عمل کی کیا اہمیت ہے؟ انسان کو ہمیشہ جدوجہد کے ذریعے اپنے وجود کے احساس کو زندہ رکھنا ہے۔ اگر انسان جدوجہد نہیں کرے گا اور اور اپنے اور اپنے اردگرد کی رکاوٹوں کو دور کرنے کی کوشش نہیں کرے گا تو لایعنیت (Absudism) کی قوت بڑھے گی۔ (۲)

دیوار کے پیچھے (۱۹۸۰ء) انیس ناگی کی تخلیقی پختگی کے دور میں لکھا جانے والا ناول ہے۔ جو وجودی مسائل سے دوچار

ایک پاکستانی فرد (پروفیسر) کی سرگزشت حیات ہے اور یہی ناول کا ہیرو اور مرکزی کردار ہے۔ یہ ناول پاکستان کے متوسط اور نچلے طبقے کی زندگی کے نشیب وفراز کی بہترین عکاسی کرتا ہے۔ ناول میں مرکزی کردار پروفیسر، معاشرے میں پائی جانے والی ناہمواریاں، عدم مساوات، انسان کے ہاتھوں دوسرے انسان کی تذلیل، جرم و گناہ کی دنیا میں انسانیت کا شخصی اور غیر شخصی دونوں سطح پر استحصال اور ان گنت مسائل کے خلاف انفرادی سطح پر آواز بلند کرتا ہے۔ وہ بے حسی پر ٹکے ہوئے نظام کے خلاف عموماً انقلابی نظریات کا اظہار کرتا رہتا ہے۔ اس طرح کے انقلابی افراد ہر غیر ہموار معاشرے کے لیے ناقابل قبول ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس کی پاداش میں وہ معاشرے ایسے انقلابی ونظریاتی خیالات کے حامل فرد کو ذہنی اور نفسیاتی تشدد کا شکار کر دیتے ہیں، بلکہ بھوک کے ہاتھوں مجبور کر کے اس سے ہر وہ کام کراتے ہیں جو اس انقلابی فرد کے مطابق غلط تھے۔ آخر جب وہ اپنے آپ کو معاشرے کے انہی گھٹیا افراد کی صف میں کھڑا دیکھتا ہے کہ جن کے خلاف وہ مزاحمت کے رویوں کا اظہار کرتا آیا تھا تو وہ خودکشی کی کوشش کرتا ہے جو ناکام ہو جاتی ہے۔ اس طرح یہ فرد اس بے رحم معاشرے کے رحم وکرم پر زندہ رہ کر ایک لایعنیت پر مبنی زندگی گزارنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

ناول بیگانہ میں جگہ جگہ زندگی کے ساتھ لایعنی برتاؤ دکھائی دیتا ہے۔ کامیو کے نوبل تصورات کے بغیر اس کی شخصیت اور تحریر کو بہتر طور پر سمجھا نہیں جا سکتا۔ (۳)۔ ''''بیگانہ'''' لایعنیت کے گرداب میں جکڑے ایک فرانسیسی فرد مرسو، کی کہانی ہے اور یہ کردار ناول میں مرکزی اہمیت کا حامل کردار ہے۔ اس کے کردار کے عمیق مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی تشکیل میں کامیو نے تمام تر تخلیقی وسائل کو استعمال میں لا کر ایسی مرکزیت سے آشکار کیا ہے کہ تمام ناول اس کی پراسرار اور مضبوط شخصیت کے اردگرد گھومتی نظر آتی ہے۔ اس ناول کو بلاشبہ بڑے کرداری ناول میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ یہ کردار مغربی معاشرے کی اخلاقی اقدار کی عکس گری اور ان اقدار سے ایک فرد کی بے نیازی اور لایعنی زندگی کے مظاہر کی اچھے انداز میں عکاسی کرتا ہے۔ ''بیگانہ اور دیوار کے پیچھے کے موضوعات میں ایک مماثلت یہ بھی ہے کہ دنوں ناولوں کا موضوع انسان کی تنہائی ہے۔ بقول وہاب اشرفی

> ''یہ ناول بیگانہ، بیسویں صدی میں افسانوں کی علیحدگی کے موضوع کو ایک خاص انداز میں پیش کرتا ہے جس میں لایعنیت کی فضا مرکز بن گئی ہے۔ اس زمانے میں ۱۹۲۴ء اس کی مشہور فلسفیانہ کتاب '' The Myth of Sisiphus'' شائع ہوئی۔ یہ زندگی کی بے معنویت، لایعنیت اور انسانی مقدر کی بے بسی کی فلسفیانہ توجیہہ پیش کرتی ہے۔ کامیو دراصل انسان کی بے بسی کا بہت بڑا علمبردار ہے۔ اس کے کلیدی تصورات میں مقدر، مجبوری اور قضا وقدر کے لایعنی نشیب وفراز نمایاں رہے۔'' (۴)

بیگانہ کے مرکزی کردار مرسو کے علاوہ اہم کرداروں میں مرسو کی (فوت ہونے والی) ماں، محبوبہ ماری، سیلیست، ماسوں، ریموں اور وکیل، جج، پادری کی صورت میں ضمنی کردار شامل ہیں۔ کہانی شروع سے ہی قاری کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے جب اس کو پتہ چلتا ہے کہ مرسو کی ماں مر گئی ہے لیکن یہ خبر سن کر اس کے اندر غم والم کی کوئی لہر پیدا نہیں ہوتی۔ حیرانی کی بات ہے کہ وہ بے دلی کے ساتھ ماں کی آخری رسومات

کے لیے جاتا ہے، جس کے لیے وہ اگر نہ بھی جاتا تو دارلامان کے لوگ یہ کام بخوبی کر دیتے۔ چونکا دینے والی بات یہ ہے کہ اس کو اپنی ماں کی میت اور موت سے کوئی دلچسپی پیدا نہیں ہوئی۔ حتیٰ کہ اس کو اپنی جبلت پر اس قدر اختیار ہے کہ ماں کا آخری دیدار بھی اس کے لیے کچھ خاص اہمیت نہیں رکھتا۔ وہ بغیر دیکھے تابوت بند کر دینے کا اشارہ کرتا ہے۔(۵)

مرسو کی ذات میں موجود یہ لایعنیت یوں بھی سامنے آتی ہے کہ اگلے روز اپنی دوست ''ماری'' کے ساتھ تیراکی کے دوران عیش و مسرت کے لمحات سے محظوظ ہو کر شام کو سینما دیکھنے جاتا ہے۔ دوسری جگہ یہ مظاہرہ اس وقت بھی ہوتا ہے جب مرسو ایک عرب باشندے کے قتل کرنے کے جرم میں عدالت کے کٹہرے میں کھڑا ہوتا ہے کہ اپنا دفاع کر سکے لیکن اسے اس دفاع سے کوئی دلچسپی محسوس نہیں ہوتی۔ یہ جانے بغیر کہ یہ عمل پھانسی تک لے جا سکتا ہے۔ اس بے نیازی کے باعث وہ مجرم تصور کیا جاتا ہے اور اسے پھانسی کا حکم سنا دیا جاتا ہے سزا کے آخری دنوں میں جب وہ پھانسی جیسے انجام کی جانب بڑھ رہا ہوتا ہے، حیرت انگیز طور پر اسے موت سے کوئی خوف یا دلچسپی محسوس نہیں ہوتی۔ اس طرح یہاں وجودیت سے زیادہ لایعنیت کا عمل سامنے آتا ہے۔

دیوار کے پیچھے پاکستان میں ۸۰ کی دہائی کے مارشل لاء کے عہد میں ایک حساس اور انقلابی و فکری نظریات کے حامل فرد کی یوٹو پیائی مملکت کے ٹوٹنے کا ایک نوحہ ہے۔ اس ناول میں ضیاء الحق کا مارشل لاء اس عہد کی مخصوص فضا، بدبودار سماج، اندھیرا، سایہ، خوف، ڈر، تنہائی، اجنبیت، کراہت، مایوسی، ریاستی جبر، ظلم اور زیادتی، معاشی و معاشرتی عدم مساوات، سیاسی حالات، انسانی وجود کی بحث اور متنوع موضوعات بھرے پڑے ہیں۔(۶) یہ ناول ایک ایسے شخص کی کہانی ہے جو معاشرے کے لیے قطعی غیر اہم تھا۔ وجودی کرب میں زندہ اور بے حال یہ فرد اپنے نظریات کی بھاری قیمت ادا کرتا ہے۔ اسے قدم قدم پر مشکوک سمجھا جاتا ہے۔ اسے احساس دلایا جاتا ہے کہ اس کا تعاقب کیا جا رہا ہے بالآخر وہ وہمی شکی اور نیم پاگل ہو جاتا ہے۔ پروفیسر کے علاوہ دیگر کرداروں میں اس کی بوڑھی، بیمار ماں، دو بہنیں رضیہ اور کوثر، بھائی امجد، حمید، سکندر، احمد اور ہیروئن نزہت کے نام شامل ہیں۔

دونوں ناول بنیادی طور پر کرداری ناول ہیں۔ دونوں ناول نگاروں نے ایک مضبوط کردار کا انتخاب کر کے ایسا مرکز بنا دیا ہے جس کے گرد سارے واقعات اور کردار گھومتے ہیں۔ دونوں ناولوں میں جگہ جگہ مماثلتوں کی کثرت ہے۔ سب سے پہلے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ کامیو کے پیش نظر فرانس کا معاشرہ ہے جس میں ہیرو مرسو کو سماج کو معاشرتی اقدار سے کوئی دلچسپی نہیں۔ اس کے لیے معاشرتی اور خونی رشتے قطعی اہمیت نہیں رکھتے۔ اس کے برعکس انیس ناگی کے ہاں صورت حال اُلٹ ہے۔ انیس ناگی کا مرکزی کردار پروفیسر معاشرے کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ یہ بات مغربی اور مشرقی معاشرتی اقدار اور ان میں ایک انسان کی قدر و اہمیت کو اچھے طریقے سے سمجھنے کے لیے معاون ہے۔ بے حسی دونوں ناولوں میں ایک بڑی مماثلت بن کر آتی ہے اور شخصی اور اجتماعی ہر دو سطح پر دکھائی دیتی ہے۔ مرسو کو زندگی سے کوئی غرض نہیں لیکن یہ رغبت نہ ہونے کے باوجود وہ اپنے آپ کو زندگی گزارنے پر مجبور پاتا ہے۔ دوسری طرف پروفیسر کو بھی (ایک وقت آتا ہے) زندہ رہنے سے کوئی غرض نہیں رہتی۔ پروفیسر ناول کے پہلے صفحے پر ہی اپنے دوست احمد کو لکھے گئے خط میں بیان کرتا ہے کہ وہ زندہ نہیں رہنا چاہتا، لیکن وہ مجبور ہے کہ خودکشی کی کوشش کے باوجود زندگی

اسے چھوڑتی نہیں۔ مشرقی معاشرہ (پاکستانی) پروفیسر کو قدم قدم پر مساوی انسان نہ ہونے کا تاثر دیتا ہے جس کی وجہ سے اسکی ذات ایک المیائی تاثر کی حامل بن جاتی ہے۔

مرسو (بیگانہ) کے خلاف قتل کے مقدمے کی وجہ سے عدالت میں بحث جاری ہے لیکن وہ کٹہرے میں کھڑا اپنے دفاع میں بولنے کی بجائے بوریت محسوس کرتا ہے اور اردگرد کی جزئیات میں مصروف ہو جاتا ہے تاکہ وہ مقدمے سے بے نیاز اور لایعنیت میں کھو جائے۔ وہ اپنے دفاع کو غیر اہم سمجھ کر چپ ہو جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح پروفیسر (دیوار کے پیچھے) کو کالج کے پرنسپل نے بغیر کسی نوٹس کے نوکری سے نکال دیا تو وہ کوئی صدائے احتجاج بلند نہیں کرتا۔ اسے اس بات سے غرض نہیں ہوتی کہ اس کے خلاف کوئی سازش رچائی جارہی ہے۔ یہاں پر مغربی اور مشرقی معاشرے کے افسروں میں مماثلت ملتی ہے کہ مرسو کو اپنے دفتر میں جب اس کی ماں کی موت کی اطلاع ملتی ہے تو اس کا افسر اس کو خوش دلی سے چھٹی نہیں دیتا، جو کہ ایک غیر اخلاقی رویہ تھا۔ پرنسپل اور مرسو کے باس کا رویہ ایک جیسا ہی ہے۔ یہ رویہ لایعنیت کے رویوں کی کمال عکاسی کرتا ہے۔ پروفیسر اکثر عجیب حلیہ بنائے رکھتا ہے۔ اپنی بول چال میں غیر محتاط رہتا ہے۔ پروفیسر جمیل اسے سمجھاتا ہے کہ محتاط گفتگو کیا کرو لیکن اس بات پر کوئی دھیان نہیں دیتا۔

''پروفیسر ذرا احتاط گفتگو کیا کرو۔

کیوں، تمہیں میری آواز بُری لگتی ہے؟

دارو گیر کا زمانہ ہے، جگہ جگہ جال بچھے ہیں، کسی پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔

یار میں کون سا بم بنا رہا ہوں۔

میرا کام خبردار کرنا ہے، باقی تمہاری مرضی، اور ہاں شام کو اس ریستوران میں جانے سے گریز کرو۔

جمیل تم مجھے سی۔آئی۔اے کے معلوم ہوتے ہو۔

میں جو کچھ بھی ہوں، میری بات پر کان دھرو۔(۷)

مرسو اور پروفیسر کے کرداروں میں دیگر مماثلتیں بھی موجود ہیں۔ موت سر پر آ کھڑی ہوتی ہے تو مرسو کو ہوش آتا ہے اور گزرا زمانہ، ماں، ماری سب یاد آنے لگتا ہے۔ تھوڑی دیر کے لیے یہ کردار لایعنیت کے گرداب سے باہر آتا ہے۔ پروفیسر کی ماں بھی بوڑھی، بیمار اور بے یار و مددگار رہتی ہے کوئی بیٹا کفالت کا ذمہ نہیں لیتا۔ مرسو ماضی، حال مستقبل سے آزاد فرد ہے۔ جبکہ پروفیسر اپنے ماضی سے بیزار ہوتا ہے اور لاتعلق ہو جانا چاہتا ہے۔

بیگانگیت (Absurdism) ایک بڑے عامل کے طور پر دونوں ناولوں میں موجود ہے مرسو اپنی ذات ماحول، معاشرت سے اتنا بیگانہ ہو جاتا ہے کہ کسی بہت اہم واقعے سے بھی اپنی ذات کو بیگانہ کر لیتا ہے اور نہیں تو وہ اردگرد کی جزئیات میں کھو کر عضو معطل بن جاتا ہے۔ پروفیسر بھی مرسو کی طرح ہر اہم واقعے سے دامن چھڑا کر جزئیات نگاری میں اپنے آپ کو مگن کر لیتا ہے۔ اس کی بے ہنگم زندگی میں کسی بھی جگہ رکشوں، ٹیکسیوں کا شور، پٹرول کی بو، ہر طرف سفید اور گنجے سروں کا لامتناہی سلسلہ اسے اردگرد سے غافل بنا دیتا ہے۔

جنس کی جبلت ایک بڑی منہ زور اور طاقت ور شے ہے لیکن یہ دونوں کردار اس جبلت سے بیگانہ ہو جانے کی کامیاب صلاحیت رکھتے ہیں۔اس مقام پر دونوں ناول نگار ان دو کرداروں کی شکل میں مضبوط کرداروں کی تخلیق میں بڑے کامیاب رہے ہیں۔ یہ زاہد خشک ہرگز نہیں لیکن اپنے وجود کو برتر رکھنے کے لیے یہ اس جبلت سے بھی اغماض برتنے میں کامیاب رہتے ہیں۔مرسو ماری سے رومانس کرتا ہے۔جنسی فعل کی انجام دہی، تیرا کی، چھاتیاں چھو کر حظ لینا،اس کے پیٹ پر سر رکھ کر لیٹنا، یہ تمام معاملات مرسو کی دلچسپی میں آتے ہیں۔لیکن جیسے ہی ماری نظروں سے دور ہوتی ہے وہ کبھی یاد نہیں آتی۔عام دنوں میں اسے جنسی طلب محسوس نہیں ہوتی۔جیسے ہی ماری سامنے آتی ہے تو اسے یوں لگتا ہے کہ جیسے کوئی بھولا ہوا کام یاد آ گیا ہو۔اس کے استفسار پر اسے واضح کرتا ہے کہ اسے اس سے کوئی محبت نہیں۔شادی کے سوال پر کہتا ہے کہ اگر تم چاہتی ہو تو میں شادی کر سکتا ہے اگر نہ مجھے کسی عورت کی ضرورت ہے نہ کسی رشتے کی۔ پروفیسر کا کردار بھی مرسو کی تائید میں آگے بڑھتا ہے۔نزہت کے شادی کے بارے میں استفسار پر کہتا ہے کہ وہ جنسی خواہش کی تکمیل کو اخلاقیات کا کوئی عنصر سمجھنے سے زیادہ معاشرتی مسئلہ سمجھتا ہے۔

> ''ایک شام وہ کہنے لگی۔شادی کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ نیک خیال ہے کیا مطلب ہے تمہارا؟ میں نے کبھی اس کی ضرورت محسوس نہیں کی۔اس کا مطلب تم ابنارمل ہو؟ ان معنوں میں نہیں جن میں تم سمجھتی ہو۔ بہت بے حیا ہو۔ دیکھو نزہت، بات یہ ہے کہ شادی بذات خود ایک مہمل ادارہ ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ فی زمانہ ایک اقتصادی مسئلہ ہے۔ یہ کھاتے پیتے طبقے کا مشغلہ ہے۔ ہر طرف گرانی ہی گرانی ہے۔اگر تم اسے جسمانی ضرورت کے لیے ضروری سمجھتی ہو تو جبلی خواہش اور طریقوں سے بھی پوری ہو سکتی ہے۔''(۸)

عورت جنس اور شادی سے گریز کے محرکات جو کوئی بھی ہوں، لیکن اس معاملے میں دونوں کرداروں کا رویہ ایک جیسا ہے،البتہ دونوں ناولوں میں عورت شادی کی خواہش مند ہے۔ یہ رویہ گھر جیسے ادارے کی مضبوطی کا نمونہ ہے۔دونوں ہیروئنوں میں مادیت پرستی نہیں ہے۔دونوں مرکزی کرداروں میں یہ مماثلت بھی ہے کہ وہ خونی اور ذاتی رشتوں سے بھی بیگانگی کا رویہ برتتے ہیں۔ مرسو کی ماں اس سے دور بیمار ہو کر مر جاتی ہے۔لیکن اسے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ ماں کے مرنے میں ''اس کا تو کوئی قصور نہیں'' ماری سے بھی اپنائیت کا کوئی تعلق نہیں بنتا مرسو کا باپ نہیں ہے۔ پروفیسر کا باپ بھی زندہ نہیں ہے۔وہ زندہ تھا تو مذہبی شدت پسند فرد تھا جس سے اس کی اولاد کو کوئی الفت محسوس نہیں ہو پاتی۔اس کے باپ کو کبھی بھی اپنے بچوں سے کوئی رغبت محسوس نہیں ہوئی۔ پروفیسر اپنے بھائی بہنوں اور ماں سے صرف ترحم کا رشتہ محسوس کرتا ہے،اس کے علاوہ کچھ نہیں۔

''دیوار کے پیچھے'' اور ''بیگانہ'' '' میں دونوں مرکزی کرداروں کے علاوہ بہت سے مقامات اور اشخاص میں مماثلتیں پائی جاتی ہیں۔ماں کا کردار دونوں ناولوں میں موجود ہے۔دونوں مائیں، بوڑھی، مریض اور اپنی اولاد کی بے حسی کا شکار ہوتی ہیں۔اہم بات یہ ہے کہ کامیو کے ناول میں اخلاقیات کے مبلغ کا کردار پادری ادا کرتا ہے۔انیس ناگی کے ہاں یہ کام ماں کرتی ہے۔دونوں ہیروئنیں شادی کی خواہش مند ہیں۔ ماری، جو مغربی معاشرے کی فرد ہے،شادی سے بے نیازی و بے رغبتی دیکھ کر چپ ہو جاتی ہے

لیکن نزہت انکارسن کر باقاعدہ احتجاج کرتی ہے۔حقیقت سے فرق کے ساتھ یہ دونوں کردار ایک جیسے ہیں۔دونوں ناولوں میں عورتوں کے کردار زیادہ فعال نہیں ہیں۔عورتوں کے ہاں زندگی اور محبت نظر آتی ہے۔دونوں ناول میں طوائف کا کردار بھی موجود ہے۔مماثلتوں کومختصر کرتے ہوئے ہم دیکھتے ہیں کہ دونوں ناولوں میں پولیس،عدالتیں،وکیل،شراب،طوائف،جج موجود ہیں۔

مرسواور پروفیسر دونوں کسی کیس میں گواہ بنتے ہیں، یہ بھی ایک مماثلت دونوں کرداروں میں موجود ہے۔مرسوایک کیس میں گواہ بنتا ہےلیکن اسے کچھ پتہ نہیں کہ اس نے کیا گواہی دینی ہے اور اسے اس سے کوئی غرض بھی نہیں۔پروفیسر کو بھی کہیں میں جھوٹا گواہ بننا پڑتا ہے۔مرسواور پروفیسر کوزمانہ اپنے مطلب کے لیے استعمال کرتا ہے۔دونوں کرداروں میں باپ سے کوئی محبت نہیں دکھائی دیتی۔دونوں شراب پیتے ہیں۔دونوں کردار انفعالیت کی بڑی مثال ہیں۔

اختلافات بھی دونوں ناولوں میں موجود ہیں جن سے ان ناولوں کی انفرادی حیثیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ اختلافات ایک دوسرے کی ضد نہیں، بلکہ اپنے اپنے تناظرات اور معاشرے کی عکس گری کے نمونے ہیں۔مرسواور پروفیسر کے کرداروں میں یہ بات مختلف ہے کہ مرسو کے ہاں زندگی گزارنے کا،دنیا میں آنے کا،رہنے کا،دنیا چھوڑ دینے کے بارے میں کوئی واضح نظریہ نہیں ملتا۔وہ اپنی ذات اور وجود سے آگے دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا،جبکہ پروفیسر اپنے دل ودماغ میں جاندار اور باقاعدہ نظریات رکھتا ہے۔مرسولایعنیت کا شکار ہوکر غیر ضروری اور بے کار سوچوں میں گم رہتا ہے جبکہ پروفیسر اپنے نظریات کے مطابق معاشرے کو نہ چلتا دیکھ کر لامتناہی سوچوں میں مبتلا ہوکر مریض بن جاتا ہے۔مرسو کو شادی سے رغبت نہ بھی ہوتو جنسی معاملات اور متعلقات میں دلچسپی رکھتا ہےلیکن پروفیسر اس میدان میں خشک مزاج اور مردم بیزار شخص ہے۔پروفیسر نے اپنے آپ کو ایسے خول میں بند کرلیا ہے جہاں پہنچ کر جنسی حظ سے محرومی اور لا پرواہی عادت بن جاتی ہے۔دونوں افراد نے جبلتوں کے منہ زور گھوڑے کو کو طاقت ور لگام ڈالی ہوئی ہے۔مرسوزندگی کے چھن جانے کے احساس سے ہوش میں آتا ہے۔اس وقت اسے موت ایک بڑی سچائی کے طور پر ملتی ہےلیکن اس کے باوجود اس کی شخصیت میں سے کوئی کمزوری سامنے نہیں آتی۔وہ نئی زندگی کی خواہش نہیں کرتا۔اسے بس یہ دکھ ہے کہ یہ آسمان،مرنے کے بعد،ہمیشہ کے لیے غائب ہوجائے گا۔

> ’’ان اشاروں اور ستاروں بھری رات میں میں نے پہلی بار اپنے آپ کو دنیا کی اس نرم ونازک لاتعلقی کے حوالے کردیا۔اُسے اپنے آپ سے اتنا مشابہ پاکر اتنا برادرانہ دیکھ کر مجھے احساس ہوا کہ میں زندگی میں پہلے بھی خوش تھا اور اب بھی۔تکمیل کے لیے اور اپنے آپ کو کم تنہا محسوس کرنے کی خاطر،میری آخری امید یہ تھی کہ میرا گلا کٹنے والے دن بہت سارے تماشائی مجھے دیکھنے آئیں اور نفرت بھری چیخوں سے میرا استقبال کریں۔‘‘(۹)

دوسری طرف پروفیسر کے جرم وگناہ کے اعترافات کے باوجود زندگی سے فراریت کا عنصر ختم ہوجاتا ہے اور وہ معاشرے سے زندگی کی بھیک مانگتا ہے۔

"مجھے گرفتار مت کیا جائے۔ مجھے برف کی سل پر مت لٹایا جائے۔ میں پہلے ہی خنجر کی دھار پر ہوں۔ میں برف کی خشکی سے شل ہو چکا ہوں۔لو میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے کسی حد تک اپنی مرضی کے مطابق زندہ رہنے کی کوشش کی ہے۔ یہ واقعی جرم ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ دوبارہ اس کا ارتکاب نہ کروں گا۔ پھر کبھی احتجاج نہیں کروں گا۔ میں نے دماغ میں بھوسہ بھر کر لبوں کو خشک آنتوں سے سی لیا ہے۔ میں اپنے لہو سے لکھ کر دیتا ہوں، تاابد میری زندگی ایک خاموش معافی کی طرح سسکتی رہے گی۔ میرا اعتراف مکمل ہو چکا ہے۔ مجھے آزاد کیا جائے۔"(۱۰)

معاشرتی اقدار اور اداروں کے ضمن میں یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے کہ فرانس کا معاشرہ اخلاقی اقدار کی پامالی اور بغاوت پر چیختا ہے، دوسری طرف پاکستانی معاشرے میں ایک حساس اور انقلابی نظریات کا حامل فرد اخلاقی وانسانی اقدار کی پامالی پر چیختا ہے۔ وہاں پر ایک فرد مسئلہ ہے۔ یہاں پر پورا معاشرہ مسئلہ ہے۔ وہاں جج فرض شناس اور پیشے سے مخلص ہیں، یہاں کے جج غیر سنجیدہ، بددیانت اور رشوت خور دکھائے گئے ہیں۔ وہاں کے جج کو مقدمے سے دلچسپی ہے۔ یہاں کے جج کم تنخواہ کا رونا روتے ہوئے رشوت خوری کا جواز فراہم کرتے پیش کئے گئے ہیں۔ فرانس میں آج سے نصف صدی قبل کی پولیس، انسان دوستی کے قوانین پر ہر صورت میں عمل پیرا ہوتی ہے۔ یہاں بہت بعد کے زمانے میں بھی پولیس اور عدالتی کارروائیاں نامعقول ہیں۔ یہاں پر پولیس اور عدالت کے اداروں کو انسانیت کی تذلیل کے بڑے اداروں کے طور پر دکھایا گیا ہے۔ وہاں گواہ کا جھوٹ بولنا ناقابل تصور ہے۔ یہاں گواہیاں خریدی جاتی ہیں۔ وہاں عدالتوں میں ایک وقت میں ایک مقدمہ زیر سماعت ہوتا ہے یہاں سیکڑوں مقدمے ایک ساتھ چلتے ہیں۔ وہاں ملزم کو ہتھکڑی اکثر کھول دی جاتی ہے۔ یہاں ملزم بتاتا ہے کہ اسکی بیڑیاں اس لیے نہیں کھولی جارہیں کہ پولیس والے اس کے لیے پیسے مانگتے ہیں۔ اِس معاشرتی عکاسی کے علاوہ جگہ جگہ مماثلتوں اور اختلافات کی رنگارنگی کے ساتھ یہ دونوں ناول، آخری دم تک قاری کو اپنی دلچسپی کے سحر میں لیے رہتے ہیں۔

دونوں ناولوں میں فنی طور پر بھی مماثلتیں موجود ہیں۔ کامیو نے اپنے ناول کو دو بڑے حصوں تقسیم کیا ہے ہر حصہ ۶،۵ ابواب پر مشتمل ہے اور باب کے اوپر نمبر موجود ہے۔ انیس نے بھی نمبروں کا استعمال کر کے ناول کو ۲۳ حصوں (ابواب) میں تقسیم کیا ہے۔ کامیو کا پلاٹ خوبصورت ہے اور بغیر الجھے ہوئے سیدھے سادھے اور منطقی انداز میں آگے بڑھتا ہے۔ انیس کے ناول کا پلاٹ سیدھا سادھا نہیں ہے۔ دراصل واقعات کا انبار نبھاتے ہوئے پلاٹ پیچیدہ بن گیا ہے۔ لیکن اس پیچیدگی کے باوجود واقعات کی منطقی ترتیب کا سلسلہ مجروح نہیں ہوتا۔ دونوں مصنفین کے کردار اپنے اپنے معاشرے کے نمائندہ کردار ہیں۔ کامیاب معاشرتی عکاسی سے ناولوں کی فضا میں اجنبیت کا عنصر دکھائی نہیں دیتا۔ وہاں فرانس کی معاشرت اور پیرس کا ذکر ہے۔ یہاں لاہور اور ساہیوال کے نام ملتے ہیں۔ دونوں ناولوں میں وقت ایک بہترین ناظر اور سامع ہے جو لاپرواہی سے چلا جارہا ہے۔ قاضی جاوید دیوار کے پیچھے کے بارے میں لکھتے ہیں:

''کامیو نے لکھا تھا کہ لایعنیت وضاحت کی خواہش اور دنیا کے ناقابل فہم ہونے کے تضاد سے جنم لیتی ہے۔ انیس ناگی نے نیازاویہ پیش کیا ہے۔اس کے نزدیک لایعنیت کا منبع وضاحت کی طلب اور خود سے ماورا ہونے سے انکار کا باہمی تضاد ہے۔ چنانچہ اس کا لایعنی ہیرو خود ماورائیت کے امکان سے منکر ہے۔۔۔سارتر کے ہیرو کی طرح پروفیسر زندگی کے حق میں فیصلہ کرتا ہے۔وہ مصالحت پر بھی آمادہ ہے لیکن انیس ناگی اس فیصلے کی لغویت اجاگر کرنے سے نہیں چوکتا۔کامیو کے اجنبی کی طرح،کافکا کے کتے کی طرح موت سے (انیس کا کردار) ہمکنار ہوا تھا۔آخری تجربے میں دونوں نے موت خود منتخب کی تھی۔ اب وہ جانتا ہے کہ یہ زوال کا عہد ہے۔ترقی کے قدم رک گئے ہیں۔نئی دانش کی ضرورت ہے۔جنوں میں اس نے جو جانا ہے وہ فرزانگی میں نہیں جانا جا سکتا۔''(۱۱)

انیس ناگی نے دوستوفسکی،فرانز کافکا،آندرے ژید،فاکنر،ژاں پال سارتر،اور آلبیغ کامیو کی ادبی روایت کو نہ صرف یہ کہ اردو دنیا میں متعارف کرایا بلکہ اسے آگے بڑھانے کا سبب بھی بنے۔کامیو اور انیس ناگی کی شخصیات اور نظریات میں ایک اور بڑا عنصر کمیونسٹ نظریات بھی ہیں۔کامیو کمیونسٹ تحریک سے عملی طور پر بھی منسلک رہے۔اس کے ہاں گہرا سیاسی شعور ملتا ہے۔اپنے دور کے استحصال زدہ انسانوں کا درد رکھتے ہیں۔اسی طرح انیس ناگی انسان کے ہاتھوں انسان کی تذلیل، بے بسی اور سیاسی و معاشرتی سماج پر گہری نظر رکھتا ہے اور ان نظریات کو کامیابی سے اپنے ناول میں سموتا ہے اور سیاسی اور معاشرتی طور پر معاشرے کی حالت زار پر گہری نظر رکھتے ہوئے ترقی پسندانہ خیالات کو کامیابی سے ناول میں پیش کرتے ہیں۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ ناول کا فرانسیسی عنوان لیتراں ژے Letrnger ہے۔انگریزی میں یہ عنوانات Outsider اور Stranger ملتے ہیں۔اردو میں انگریزی سے جو ترجمہ ہوا وہ ''اجنبی'' کے نام سے موجود ہے۔موجودہ ترجمہ بیگانہ بلقیس ناز کا ہے جو براہ راست فرنچ سے اُردو میں کیا گیا ہے۔

۲۔ شہزاد منظر،مشرق ومغرب کے چند مشاہیر ادبا، (کراچی،مکتبہ دانیال،اول ۱۹۹۶ء،)ص ۱۲۰

۳۔ کامیو کے نظریات اس طرح ہیں۔

(i) The absurd is the essential concept and first truth.

(ii) I rebel, therefor we exist.

Referenced by, http://en.wikipedia.org/wiki/Albert Camus accesed on 25-04-2009

۴۔ وہاب اشرفی،تاریخ ادبیات عالم،جلد پنجم، (اسلام آباد،پورب اکیڈمی،طبع اول ۲۰۰۶ء)،ص ۱۰۳

۵۔ البرٹ کامیو،بیگانہ،ترجمہ بلقیس ناز،(اسلام آباد،الحمرا پبلشنگ،۲۰۰۳ء،)ص ۱۹

۶۔ شہزاد منظر، پاکستان میں اردو افسانے کے پچاس سال،(، کراچی: پاکستان سٹڈی سنٹر، جامعہ کراچی، ۱۹۹۷ء)،ص۱۹۴

۷۔ انیس ناگی، دیوار کے پیچھے،(لاہور، فیروزسنز،۱۹۹۸ء)،ص۱۳

۸۔ دیوار کے پیچھے،ص۶۹

۹۔ بیگانہ،ص۱۵۷

۱۰۔ دیوار کے پیچھے،ص۱۴

۱۱۔ قاضی جاوید،(تبصرہ)مشمولہ''دیوار کے پیچھے'' ص۱۸۹-۱۸۸